توضیح وتنقیح

ایک اہم اقتصادی مسئلہ اور اس کا حل

مولانا محمد طاسین صاحب کے نام ایک خط اور مولانا کی جانب سے اس کا جواب

۶ فروری ۱۹۹۶ء

مکرمی جناب مولانا محمد طاسین صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ "حکمت قرآن" کی وساطت سے ایک مسئلہ کی الجھن دور کرنا چاہتا ہوں' قرآن وسنت کی روشنی میں تشفی فرمائیں۔ مسئلہ کا تعلق اسلام کے معاشی نظام کے حوالہ سے ہے۔ فرض کریں کہ ایک شخص نے کسی کو کچھ رقم بطور قرض دی اور کچھ عرصہ بعد ادائیگی کو کہا۔ لیکن اس مدت کے دوران کرنسی کی قیمت گر جاتی ہے (جیسا کہ اب ہوا ہے) تو اس صورت میں قرض کی ادائیگی کی صورت کیا ہوگی؟ اصل رقم واجب الادا ہوگی یا اس کمی کو بھی پورا کیا جائے گا؟ اگر صرف اصل رقم کی واپسی ہوگی تو اس صورت میں قرض دینے والے کا نقصان ہے' ایک تو اس نے نیکی کی' دوسرا اسے نقصان (روپے کی کمی) ہو' حالانکہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ "لاضرر ولاضرار" یعنی تم نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کسی سے نقصان برداشت کرو۔

اس سوال کا تفصیلی جواب مطلوب ہے ——— شکریہ

احقر العباد

قاری محمد عمر

دار الحافظ۔ ایم ڈی اے روڈ ملتان

جواب از مولانا محمد طاسین صاحب

مجلس علمی فاؤنڈیشن

۱۲/اپریل ۹۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر محترم جناب قاری محمد عمر صاحب زادک اللہ علما!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ! اللہ کرے مزاج گرامی بخیر ہوں!

موقر ماہنامہ "حکمت قرآن" کے توسط سے آپ کا خط ملا جس میں آپ نے ایک اہم مسئلہ کے متعلق استفسار فرمایا ہے جو آج کل عام طور پر علمی حلقوں میں موضوع بحث و تحقیق بنا ہوا ہے۔ پھر چونکہ اس مسئلے کا تعلق حقوق العباد اور حلال و حرام سے ہے لہٰذا ضروری ہے کہ علماء کرام اس کا اسلامی حل پیش فرمائیں!

میرے علم و فہم اور غور و فکر کے مطابق اس مسئلے کا جو حل اور اس سوال کا جو جواب ہے اس کو پیش کرنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ دو اصولی باتیں عرض کر دوں جن سے میرے حل اور جواب کا گہرا تعلق ہے۔

پہلی بات یہ کہ عہد حاضر میں قرض کے طور پر دیئے لئے جانے والے مال دو قسم کے ہیں' ایک حقیقی مال اور دوسرے اعتباری اور حکمی مال---- حقیقی مال کی تعریف میں وہ سب اشیاء آتی ہیں جن کی ذات میں انسان کی کسی طبعی و جبلی حاجت و ضرورت کو پورا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہو' جیسے کھانے پینے' پہننے پوشنے' رہنے سہنے وغیرہ سے متعلق اشیاء جن کی بازاروں میں خرید و فروخت ہوتی ہے۔ ان میں راحت و آسائش اور تعیش و تنعم کی چیزیں بھی شامل ہیں۔ اور اعتباری و حکمی مال سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کی ذات کے اندر مذکورہ صلاحیت نہ پائی جاتی ہو' لیکن معاشرے نے بعض اغراض و مقاصد کی خاطر ان کو حقیقی اموال کے تبادلے اور لین دین کا ذریعہ اور معیار تسلیم اور اعتبار کر لیا ہو' جیسے کرنسی نوٹ کہ جو کاغذ کی حیثیت سے اپنے اندر مالیت نہیں رکھتے' لیکن معاشرے اور اس کی نمائندہ حکومت نے ان کو سہولت کی خاطر سونے چاندی کی طرح زر اعتبار کر لیا اور قانوناً

ان کو ثمن یعنی ایسی چیز کی حیثیت دے دی ہے جس کے ذریعے حقیقی اموال کی خرید و فروخت کی جاسکتی ہے' چنانچہ جب کوئی حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کی منسوخی کا اعلان کر دیتی ہے تو ان کی مذکورہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے اب ہزار روپے کے منسوخ شدہ نوٹ سے ایک پنسل تک نہیں مل سکتی۔ مذکورہ دو قسم کے مال چونکہ اپنی حقیقت و ماہیت اور اپنی غرض و مقصدیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہیں لہٰذا قرض کے لین دین میں دونوں کا شرعی حکم ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہے جو آگے بیان کیا جائے گا۔

دوسری اصولی بات یہ کہ شریعت اسلامی میں قرض کی جو تعریف اور معنوی حقیقت ہے اس کی رو سے لازم قرار پاتا ہے کہ مقروض بوقت ادائیگی قدر و قیمت کے لحاظ سے اس مال کی مثل قرض خواہ کو ادا کرے جو اس نے بطور قرض لیا تھا' یعنی ادا کیا جانے والا مال قدر و قیمت میں اس مال کے مساوی اور برابر ہو جو اس نے کسی سے قرض کے طور پر لیا تھا' اس سے نہ کم ہو اور نہ لازماً زیادہ ہو' چنانچہ شریعت اسلامی کی رو سے ایسی چیزوں کو قرض پر لینا دینا ممنوع ہے جن کی قدر و قیمت کے لحاظ سے مثل ممکن نہ ہو سکتی ہو' بعض احادیث نبویہ میں جانور قرض لینے دینے کی جو ممانعت ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ دو جانور کبھی بھی ہر وصف اور ہر لحاظ سے سو فیصد برابر اور مساوی نہیں ہو سکتے بلکہ کسی نہ کسی پہلو سے ان کے اندر اختلاف ضرور موجود رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرض پر لئے ہوئے جانور کے بدلے میں بوقت ادائیگی دوسرا جو بھی جانور دیا جائے وہ لئے ہوئے جانور سے کمی و بیشی کے لحاظ سے ضرور کچھ نہ کچھ مختلف ہو گا' اس کے مثل اور برابر نہ ہو گا' جبکہ شرعاً لازمی ہے کہ مقروض ادائیگی کے وقت لئے ہوئے مال کی مثل ادا کرے جو قدر و قیمت میں اس کے برابر ہو۔

اسی طرح کرنسی نوٹ جو دراصل حقیقی مال نہیں' اعتباری اور حکمی مال ہیں' معاشرے کے ان کو سونے چاندی وغیرہ کے سکوں کی طرح مال اعتبار کر لینے سے بلاشبہ ان کے اندر قوت خرید پیدا ہو جاتی ہے' لیکن کرنسی نوٹوں کی یہ اعتباری قوت خرید ایک حال پر قائم نہیں رہتی بلکہ خاص طرح کے حالات کے زیر اثر بدلتی اور عموماً کم اور کبھی زیادہ ہو جایا کرتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مثلاً دس سال پہلے ایک ہزار روپے کے کرنسی نوٹ کی جو قوت خرید تھی وہ آج آدھی بھی نہیں' دس سال پہلے ایک ہزار کے کرنسی نوٹوں سے جتنی

اشیائے ضرورت ملتی تھیں آج ان کی نصف اور آدھی بھی نہیں مل سکتیں' حالانکہ نوٹوں کی بناوٹ اور شکل صورت جو دس برس پہلے تھی وہی اب بھی ہے' لیکن قوت خرید کے لحاظ سے ان کے مابین نمایاں فرق ہے جو افراط زر اور انفلیشن (Inflation) کی وجہ سے ضرور واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ کرنسی نوٹوں کے قرض کا معاملہ جبکہ وہ طویل المیعاد ہو اور اس میں یہ طے ہو کہ قرض کے طور پر جتنے نوٹ لئے دیئے گئے ہیں بوقت ادائیگی اتنے ہی نوٹ دیئے لئے جائیں گے شرعاً ناجائز معاملہ قرار پاتا ہے کیونکہ اس میں قرض دینے والے کو اس کے مال کی مثل نہیں ملتی جس کا وہ حقدار ہوتا ہے۔ کرنسی نوٹوں میں مثل کا مطلب ہے قوت خرید میں برابری جو مذکورہ صورت میں نہیں ہو سکتی کیونکہ آج کے کرنسی نوٹ قوت خرید میں ان نوٹوں کی قوت خرید کے برابر نہیں ہو سکتے جو مثلاً پانچ سال پہلے قرض کے طور پر دیئے لئے گئے تھے' لہٰذا اگر کرنسی نوٹوں کے قرض میں یہ ضروری ٹھہرایا جائے کہ جتنی تعداد میں وہ قرض لئے گئے ہوں ٹھیک اتنی ہی تعداد میں بوقت ادائیگی وہ واپس کئے جائیں تو اس صورت میں قرض دینے والے فریق کو نقصان پہنچتا اور اس کی لازماً حق تلفی ہوتی ہے' چنانچہ اس وجہ سے بھی معاملہ مذکور ظلم و حق تلفی کی بنا پر باطل اور ناجائز قرار پاتا ہے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کے پیش نظر کرنسی نوٹوں کے قرض کی اسلامی شریعت کے مطابق جائز شکل صرف یہی ہو سکتی ہے کہ انکے قرض میں کسی حقیقی مال کا اعتبار کیا اور اس کو معیار بنایا جائے اور ادائیگی اس کے مطابق ہو' یعنی یہ دیکھا جائے کہ جس وقت جو کرنسی نوٹ قرض لئے دیئے گئے اس وقت ان کے عوض بازار میں کتنی مقدار میں سونا مل سکتا تھا' پھر ادائیگی جب بھی ہو سونے کی اس مقدار کے برابر ہو' یعنی ادائیگی کے وقت سونے کی اس مقدار کی قیمت اگر قرض پر دیئے ہوئے نوٹوں کے برابر ہو تو مقروض اتنے ہی نوٹ ادا کرے جتنے اس نے لئے تھے۔ اور اگر سونے کی اس مقدار کی قیمت بڑھ جائے مثلاً ایک ہزار کی بجائے اب اس کی قیمت گیارہ سو روپے ہو گئی ہو تو مقروض پر لازم ہو گا کہ وہ ایک ہزار کی بجائے گیارہ سو کے نوٹ ادا کرے تاکہ قرض خواہ کو اس کا حق پورا پورا ملے اور معاملہ عدل کے مطابق طے پائے۔

یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ ایک ہزار کے نوٹ قرض دے کر کچھ عرصہ کے بعد مقروض سے گیارہ سو کے نوٹ وصول کرنا' بظاہر ربا کا معاملہ لگتا ہے جو جائز نہ ہونا چاہئے' تو اس کا جواب یہ کہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مال کی دو قسمیں ہیں' ایک مال حقیقی اور دوسرا مال اعتباری و حکمی' اور یہ کہ قرض کے معاملہ میں مال کی ان دو قسموں کا شرعی حکم الگ الگ ہے۔ مال حقیقی کے قرض میں شرعی حکم یہ ہے کہ جس مقدار میں وہ کسی کو بطور قرض دیا جائے بوقت وصولی ٹھیک اسی مقدار میں وصول کیا جائے' اپنا حق سمجھ کر اس سے کچھ بھی زائد لینا بلاشبہ ربا ہے جو قطعی حرام ہے' لیکن کرنسی نوٹوں کی شکل میں اعتباری مال ہو تو اس کے قرض میں شرعی حکم یہ نہیں کہ وہ جس مقدار اور تعداد میں قرض دیا گیا ہو بوقت ادائیگی ٹھیک اسی مقدار اور تعداد میں ادا کیا جائے کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر بعض حالات میں جب افراط زر کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کی قوت خرید میں کمی واقع ہو جائے' جیسے کہ ہمارے ہاں پاکستان میں کچھ عرصہ سے مسلسل ہو رہی ہے' یہ معاملہ عدل کے خلاف ہو جاتا ہے' اس لئے کہ اس صورت میں قرض دینے والے کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا نہیں ملتا اور اس کو لازماً ضرر و نقصان پہنچتا ہے۔ کرنسی نوٹوں کے قرض میں عدل کی واحد صورت یہ ہے کہ ادائیگی کے وقت قرض دینے والے کو مقروض اتنے سونے کے حساب سے نوٹ ادا کرے جتنا سونا ان نوٹوں کے بدلے میں بازار میں مل سکتا تھا جو اس نے قرض میں لئے تھے اس میں مقروض کی کسی طرح کی کوئی حق تلفی نہیں ہوتی اور قرض خواہ کو اس کا پورا پورا حق مل جاتا ہے جیسا کہ عدل کا تقاضا ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی مفید اور مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض دفعہ کسی ملک کے مخصوص معاشی حالات کی وجہ سے اس کی کاغذی کرنسی یعنی نوٹوں کی قوت خرید میں جو کمی واقع ہوتی ہے اس کی تہہ میں مختلف قسم کے بہت سے اسباب و عوامل کار فرما ہوتے ہیں یہ اسباب و عوامل جن کے نتیجہ میں افراط زر اور انفلیشن کی کیفیت پیدا ہوتی اور کاغذی کرنسی کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے داخلی اور ملکی بھی ہوتے ہیں اور خارجی و بین المملکتی بھی' لہٰذا اس کے اچھے برے اثرات سے معاشرے کے تقریباً سب افراد ضرور متاثر ہوتے ہیں' کوئی بھی ایک دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈال سکتا کیونکہ اس میں سب کی

حیثیت مساویانہ ہوتی ہے۔ افراط زر اور انفلیشن سے کاغذی کرنسی یعنی نوٹوں کی حد تک تو لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے لیکن دوسری تمام چیزوں میں فائدہ پہنچتا ہے' لوگوں کی ملکیت میں جتنی اشیاء ہوتی ہیں خواہ وہ تجارتی ساز و سامان کی شکل میں ہوں یا غیر منقولہ جائیداد وغیرہ کی شکل میں' ذاتی استعمال کی چیزیں ہوں جیسے رہائشی مکان' فرنیچر اور گاڑی وغیرہ یا مشینوں وغیرہ کی شکل میں صنعتی سرمایہ ہو' ہر چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ بعض لوگ ہزاروں سے لاکھوں اور لاکھوں سے کروڑوں پتی بن جاتے ہیں' مزدوروں اور ملازموں کی اجرتوں اور تنخواہوں میں بھی نمایاں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال کوئی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا جو اوپر پیش کی گئی ہے۔

افراط زر کے حوالے سے جو باتیں پڑھنے سننے میں آئی ہیں ان میں سے ایک نہایت غلط اور گمراہ کن بات یہ ہے کہ چونکہ اس سے کرنسی نوٹوں کی قوت خرید میں کمی واقع ہوتی ہے لہٰذا کرنسی نوٹوں کی شکل میں بینک کو دیئے گئے سودی قرضہ پر بینک سے سود لینا جائز ہے۔ گویا یہ بات کہنے والے کے نزدیک اس کمی کا ذمہ دار بینک ہے اور یہ کہ اگر وہ نوٹ بینک کو دینے کی بجائے کھاتہ دار کے پاس ہوتے تو ان میں کمی واقع نہ ہوتی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے' کیونکہ وہ کمی تو ہر صورت میں واقع ہو کے رہتی ہے' کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔

والسلام

محمد طاسین عفی عنہ

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب

جہاد بالقرآن

کتابی صورت میں دستیاب ہے

صفحات: ۹۶ سفید کاغذ، عمدہ طباعت؛ قیمت فی نسخہ -/۱۲ روپے